اسلام عصرِ حاضر میں

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام عصرِ حاضر میں

یہ کتابچہ اسلامی جمعیۃ الطلباء کے زیرِ اہتمام کراچی میں ۱۰ دسمبر ۱۹۶۳ء کو ایک جلسۂ عام میں "اسلام ٹوڈے" کے عنوان سے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تقریر پر مبنی ہے

آج کے موضوعِ بحث میں یہ دلچسپ صورتِ حال پائی جاتی ہے کہ تقریر تو بزبان اردو" اور موضوعِ بحث ہے "بزبانِ انگریزی" یعنی (Islam Today) اس لیے مجھے پہلے اسی مسئلے پر بحث کرنی ہے کہ اس موضوعِ بحث کا مدعا کیا ہے۔ اس کا دائرۂ بحث کس حد تک وسیع ہے۔ اور اس دائرۂ بحث میں کیا امور آسکتے ہیں، اور کون سے اُمور اس سے خارج ہیں۔

"اسلام ٹوڈے" اگر اپنے انگریزی معنی میں لیا جائے یعنی اس مفہوم میں جس میں اہلِ مغرب اس لفظ کو بولا کرتے ہیں تو قریب قریب "آج کے مسلمان" کا ہم معنی ہے، اہلِ مغرب "اسلام" اور "مسلمان" میں ایسا خلط ملط کرتے ہیں کہ جہاں "مسلمان" بولنا ہوتا ہے وہاں "اسلام" بولتے ہیں اور جہاں "اسلام" بولنا ہوتا ہے وہاں "مسلمان" بول جاتے ہیں۔ اس لیے پہلے تو اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیجیے کہ "اسلام ٹوڈے" کے معنی مسلمانوں کی موجودہ حالت کے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا مفہوم جو "اسلام ٹوڈے" کے الفاظ سُن کر ذہن میں آتا ہے وہ ہے "آج کا اسلام" اس معنی کے لحاظ سے یہ عنوان بالکل مہمل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام کے لیے آج اور کل کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

اسلام تو ایک ازلی اور ابدی حقیقت ہے۔ ایک ایسی حقیقت کہ پانچ ارب سال پہلے بھی وہی حقیقت تھی اور پانچ ارب سال بعد بھی وہی حقیقت رہے گی۔ پانچ ارب سال پہلے بھی یہ حقیقت تھی کہ اس کائنات کا ایک ہی خدا تھا اور پانچ ارب سال بعد بھی یہی حقیقت ہوگی کہ اس کائنات کا ایک ہی خدا رہے گا۔ یہ حقیقت بھی ازلی اور ابدی ہے کہ مخلوق کا کام خالق کی بندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جب بھی کوئی مخلوق پائی جائے گی لامحالہ خالق کی بندگی کرنا ہی اس کا کام ہوگا۔ اس لحاظ سے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کے بارے میں آج اور کل اور ماضی و حال اور مستقبل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب اگر اس عنوان کے کوئی معنی ہو سکتے ہیں تو وہ دو ہیں، ایک یہ کہ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا طرزِ عمل آج کیا ہے؟ مسلمان اس زمانہ میں اسلام کے متعلق کیا رویّہ رکھتے ہیں؟ اور ان کی زندگی میں اسلام کے کیا اثرات ہیں اور کیا نہیں ہیں؟ دوسرے معنی یہ کہ اسلام کو آج کی دنیا قبول کر سکتی ہے یا نہیں کر سکتی؟ کر سکتی ہے تو کیسے کر سکتی ہے؟ اور کوئی شخص اگر بہت زیادہ آگے بڑھ کر اس کے کچھ اور معنی لے سکتا ہے تو یہ بھی لے سکتا ہے کہ اسلام آج قابلِ عمل ہے یا نہیں؟۔

یہی دو سوال اس عنوان کے مفہوم میں آتے ہیں اور میں ان دونوں سوالات پر ترتیب وار اپنے خیالات پیش کروں گا۔

جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے کہ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا طرزِ عمل آج کیا ہے، اور مسلمانوں کی زندگی میں اسلام کا کیا اثر پایا جاتا ہے، اور کیا نہیں پایا جاتا، اور مسلمان اس کے بارے میں آج کیا رویّہ رکھتے ہیں، اس کو سمجھنے کے لیے یہ بالکل ناگزیر ہے کہ آپ "اسلام اس زمانے میں" سے پہلے "اسلام پچھلے زمانے میں" پر بھی ایک

نگاہ ڈال لیں۔ اس لیے کہ ہم آج جو کچھ بھی ہیں، وہ گذشتہ کل کے نتیجہ میں ہیں اور جو کچھ آئندہ ہونے والے ہیں وہ آج جو کچھ حالت ہے اس کے نتیجہ میں ہوں گے۔ لہٰذا اسلام کے بارے میں مسلمانوں کا آج جو رویّہ ہے اسے سمجھنے کے لیے کل جو رویّہ تھا اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ تاکہ ہم یہ معلوم کریں کہ ہمارا آج کا رویّہ کن تاریخی اسباب کی بنا پر ہے، اور اسی سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ مستقبل میں یہ رویّہ کیا صورت اختیار کر سکتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اگر ہم ایک تاریخی جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسلمان اپنی تاریخ کے دوران میں تین بڑے مرحلوں سے گزرتے ہوئے آ رہے ہیں، اور اس وقت ہم چوتھے مرحلے میں ہیں۔

پہلا مرحلہ

انسانی تاریخ کا حیرت انگیز معجزہ

ہماری تاریخ کا سب سے پہلا مرحلہ وہ تھا جب اسلام کا آغاز ہوا ایک شخص واحد اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس بات کے لیے مامور کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی توحید اور آخرت کے عقیدے اور رسالت کے اتباع کی بنیادوں پر انسانی زندگی کی تعمیر کے لیے کوشش کرے۔
اس ایک بندۂ حق نے تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں اس دعوت کو خلقِ خدا کے سامنے پیش کیا اور محض زبان ہی سے پیش نہیں کیا بلکہ اپنی زندگی کے ایک ایک عمل سے، اپنی حرکات و سکنات سے، اپنے رویّے سے، اپنے برتاؤ سے، غرض اپنی ایک ایک چیز سے اس شخصیتِ کبریٰ نے اس بات کا مظاہرہ کیا کہ اسلام کس قسم کا انسان چاہتا ہے، کس قسم کے اخلاق بنانا چاہتا ہے، کس سیرت کا طالب ہے، کیا رویّہ اس دنیا کی زندگی میں ایک ایسے شخص کا ہونا چاہیے جو اسلام کو ماننے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے پیش کیا، اس کا مجسّم نمونہ آپؐ خود تھے۔

اس دعوت کو سُن کر اور اس نمونے کو دیکھ کر خلقِ خدا میں سے وہ لوگ آپؐ کے ساتھ شریک ہوتے چلے گئے جنہوں نے پوری ایمان داری اور پورے خلوص اور پورے فہم اور پورے شعور کے ساتھ اس چیز کو اچھی طرح جان کر قبول کیا۔ ناسمجھی کے ساتھ کوئی ایک آدمی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں آیا۔ اور جب کوئی شخص خوب سوچ سمجھ کر آیا تو پھر اس نے اپنی زندگی کو ٹھیک

ٹھیک اس سانچے کے مطابق ڈھال لیا۔ جس سانچے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ دعوت چاہتی تھی کہ وہ ڈھلے۔ اس تیرہ برس کی مدت میں مکّہ معظمہ میں جو لوگ اسلام لائے تھے ان میں سے ایک ایک آدمی کی زندگی میں عملاً وہ انقلاب رونما ہوا تھا جو اسلام حیاتِ انسانی میں رونما کرنا چاہتا ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان کے اندر عملاً وہ انقلاب برپا ہوا تھا بلکہ اس انقلاب کے راستہ میں جتنی داخلی اور خارجی طاقتیں مزاحم تھیں ان سب کے ساتھ انھوں نے مجاہدہ کیا۔ کشمکش کی بڑی سے بڑی قربانیاں جو انسان کسی مقصد کے لیے دے سکتا ہے اس سلسلہ میں انھوں نے دیں۔ بڑے سے بڑے نقصانات برداشت کیے، اس لیے کہ ان کے نزدیک دنیا کی سب سے بڑی قدر وہ تھی جو اسلام کے ذریعہ سے انھیں ملی تھی۔ اس کو وہ دنیا کی کسی اور چیز پر قربان کرنے کے لیے تیار نہ تھے، اور ہر چیز کو اس کے اوپر قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان کے اندر پوری طاقت کے ساتھ یہ جذبہ اُبھر آیا تھا کہ جس نظریۂ حیات پر وہ ایمان رکھتے ہیں اسے دنیا میں غالب کر کے چھوڑیں گے اور وہ جان کی بازی لگا کر بھی اس امکان کو ختم کر دینے پر تُل گئے تھے کہ کوئی باطل نظریۂ حیات اُن پر غالب ہو۔

پہلی اسلامی ریاست

اس طرح ۱۳ برس کی مختصر مدت میں مٹھی بھر جاں نثاروں کا جو گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا اُسے لے کر آپؐ مدینۂ طیبہ منتقل ہو گئے اور وہاں ایک بہت چھوٹی سی ریاست قائم کر دی، جس کا رقبہ آپؐ کے ایک معمولی قصبے کے رقبہ سے زیادہ نہ تھا جس کی آبادی بمشکل اس وقت چھ سات ہزار ہو گی۔ اتنے چھوٹے علاقہ میں ایک ریاست قائم ہوتی ہے اور وہ پورے عرب کو چیلنج کر دیتی ہے۔ ایک طرف پورا عرب ہے اور ایک طرف وہ چھوٹی سی ریاست۔ اس ریاست میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی جاہلیت کے علی الرّغم بالکل ایک نیا معاشرہ

بنانا شروع کر دیا۔ اور چند سال کے اندر وہ نمونہ تیار کر کے سارے عرب کے سامنے رکھ دیا جسے دیکھ کر ہر شخص علانیہ یہ معلوم کر سکتا تھا کہ اسلام انسانی تہذیب و تمدن کو کیا شکل دینا چاہتا ہے اور اس میں اخلاق کی کیسی روح جاری و ساری کرنا اس کے پیشِ نظر ہے۔ اسلام جس عدل کی دعوت دیتا ہے اس معاشرے اور ریاست میں وہ عملاً قائم کر کے دکھا دیا گیا ہے۔ اسلام جیسا پاکیزہ معاشرہ بنانا چاہتا ہے وہاں وہ بالفعل کر کے دکھا دیا گیا۔ اسلام معاشی زندگی میں جو اصلاح کرنا چاہتا ہے وہاں اس کو نافذ کر کے دکھا دیا گیا۔ غرض ہر وہ چیز جس کے لیے اسلام دعوت دیتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہاں عملاً قائم کر کے دکھایا تاکہ لوگ محض کانوں ہی سے نہ سنیں بلکہ آنکھوں سے دیکھ بھی لیں کہ کیا ہے اسلام اور کیا ہیں اس کی برکات اور کس طرح اسے عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

حیرت انگیز معجزہ اب یہ انسانی تاریخ کا حیرت انگیز معجزہ ہے کہ آٹھ برس کی مختصر سی مدت میں ایک قصبے کی چھوٹی سی ریاست جو چند مربع میل اور چند ہزار انسانوں پر مشتمل تھی پورے عرب پر چھا گئی۔ صرف آٹھ برس کے اندر دس بارہ لاکھ مربع میل کا پورا ملک مسخّر ہو گیا۔ اور مسخّر بھی اس طرح ہوا کہ لوگ محض ایک سیاسی نظام ہی کے تابع نہیں ہو گئے بلکہ ان کے نظریات تبدیل ہو گئے، ان کی قدریں بدل گئیں، اُن کے اخلاق بدل گئے، ان کے معاشرتی طریقوں میں عظیم الشان اصولی تغیّر رونما ہو گیا۔ ان کی تہذیب اور ان کے تمدّن کی روح اور شکل دونوں میں ایک ایسی انقلابی تبدیلی واقع ہوئی جس نے عرب ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ کا رُخ بدل ڈالا۔ ان کے افراد نے فرداً فرداً اور ان کی قوم نے بحیثیت مجموعی سوچنے کا ایک نیا انداز، برتاؤ کا ایک نیا طریقہ، اور زندگی کا ایک نیا مقصد اختیار کر لیا جس سے وہ اپنی صدہا برس کی تاریخ میں کبھی آشنا نہ ہوئے تھے۔ صدیوں کی

طوائف الملوکی ختم کر کے اس ملک کو ایک سیاسی نظام کے تحت لے آنا بھی کوئی چھوٹا کارنامہ نہ تھا مگر اس سے ہزاروں درجہ زیادہ بڑا کارنامہ یہ فکری و اخلاقی اور تہذیبی و تمدنی انقلاب تھا۔ افسوس ہے کہ تاریخ نگاری کے ایک غلط طریقہ نے اس عظیم تغیر کو محض غزوات کے نتیجے کی حیثیت سے پیش کر دیا۔ اور فرنگی مستشرقین نے اس پر خوب ڈھول پیٹا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ تمام لڑائیاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئیں، ان میں مجموعی طور پر دونوں طرف کے بمشکل ۱۴۰۰ سو آدمی مارے گئے تھے، کسی کے پاس عقل ہو تو وہ خود غور کرے کہ اتنی کم خونریزی کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب کہیں تلوار کے بل پر بھی ہو سکتا ہے؟۔

اسلام کا عملاً قیام

دراصل اس عظیم تغیر کی وجہ کچھ اور تھی۔ جب مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت دیتے رہے، بہت کم لوگ اُسے اور اس کے مضمرات کو سمجھ سکے۔ اس وقت صرف وہی لوگ اُسے سمجھے جو بہت زیادہ اعلیٰ درجہ کا فہم و شعور رکھتے تھے۔ بڑا صاف اور بے کدورت ذہن رکھتے تھے۔ اور اپنے اندر یہ صلاحیت رکھتے تھے کہ جاہلیت کے تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر ایک حق بات کو محض حق ہونے کی بنا پر سمجھ بھی لیں، مان بھی لیں، عملاً اس کی پیروی بھی اختیار کر لیں، اور پھر سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کی علم برداری کے لیے بھی اُٹھ کھڑے ہوں۔ مگر جب ان صفات کی ایک مختصر سی جماعت تیار ہو گئی اور اس کو لے کر حضورؐ نے مدینے میں ایک اسلامی معاشرہ قائم کر دیا، اور ایک آزاد اسلامی ریاست کی زمام اقتدار ہاتھ میں لے کر آپؐ نے اسلام کی پوری اصلاحی اسکیم کو اُس معاشرے میں روبہ عمل لانا شروع کر دیا تو حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ اب لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہاں کیسا امن ہے۔ کیسی نیکی اور خدا ترسی ہے، کیسی راست بازی اور ایمان داری ہے، یہاں کیسی عدالت ہوتی ہے، یہاں کس طرح اونچ نیچ برابر کی گئی ہے۔

یہاں کیسے اخوت و مساوات قائم کی گئی ہے۔ یہاں کس طرح معاشی زندگی کی مشکلات اور الجھنوں اور خرابیوں کو رفع کیا گیا ہے، یہاں کتنا پاکیزہ اور کتنا ستھرا اور کس قدر اعلیٰ درجہ کا معاشرہ تیار کیا گیا ہے۔ جو تمام اخلاقی گندگیوں سے پاک ہے۔ اب آنکھیں رکھنے والے انسانوں کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ اس روشنی کا انکار کر دیں جسے وہ علانیہ اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت کے حالات کو بھی دیکھ چکے تھے جب انسان کو انسان کھائے جاتا تھا۔ جب قتل و غارت کا بازار گرم تھا اور لوگ شراب، زنا، جوئے، چوری، ڈاکے اور ہر طرح کے اخلاقی فساد میں غرق تھے۔ اور اب اس امن، اس انصاف، اس نیکی اور شرافت اور اس اخلاقی طہارت کو بھی ان کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں جس کے نور سے مدینے کی اسلامی ریاست کا سارا ماحول جگمگا رہا تھا۔ اس کے بعد بہت ہی کم لوگ ایسے رہ گئے جن کی آنکھیں پھوٹی ہوئی تھیں اور جنھیں جاہلیت کی تاریکی ہی پسند تھی ان کو چھوڑ کر وہ سب لوگ اس صداقت کے قائل ہوتے چلے گئے جو اس کا راستہ روکنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کٹ کٹ کر لڑ چکے تھے۔ خالد ابن ولید قائل ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل قائل ہوئے، عمرو بن عاص قائل ہوئے، حتیٰ کہ ابو سفیان اور ہند جگر خوار تک نے مان لیا کہ جس دعوت کے ثمرات و نتائج یہ کچھ ہیں وہی حق ہے۔ اس لیے کہ اب انھوں نے چلتے پھرتے حق کو دیکھ لیا تھا۔ اب اسلام محض ایک تخیل نہ تھا جو محض ایک دعوت کی صورت میں ان کے سامنے پیش کیا جا رہا ہو، بلکہ وہ اُسے زمین پر کام کرتے ہوئے اور انسانی زندگی میں اپنے عملی نتائج کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

انقلاب انگیز نتائج

اس انقلاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ایک پوری قوم ایسی تیار کر دی جس کی اجتماعی زندگی میں پورا کا پورا اسلام نافذ تھا، جس کے عقائد اور افکار و نظریات اسلامی تھے، جس کا مذہب

خدائے واحد کے سوا کسی دوسرے کی بندگی اور پرستش سے آلودہ نہ تھا جس کی انفرادی سیرتیں اور اجتماعی اخلاق جاہلیت سے پاک ہوکر اسلام کے سانچے میں ڈھل چکے تھے۔ جس کا تمدن اسلامی تہذیب و تمدن کا نمونہ تھا اور جس کی ریاست کا پورا نظام اسلام کے قوانین پر چل رہا تھا۔ یہ پوری قوم اسلام کیلئے جینے اور اسلام کیلئے مرنے پر تیار ہوگئی۔ دنیا میں خدا کا کلمہ بلند کرنے کو اس نے اپنا قومی نصب العین بنا لیا اور اس کی ریاست کا مقصد وجود ہی یہ قرار پا گیا کہ جہاں اسے اقتدار حاصل ہے وہاں اسلام کے اصولوں پر زندگی کا نظام چلائے اور جہاں اسے اقتدار حاصل نہیں ہے وہاں اسلام کی دعوت پھیلائے اس طرح دنیا میں ایک پوری قوم ایسی تیار ہوگئی جو خود اسلام پر عامل تھی اور روئے زمین پر اسلام پھیلانا اس کا قومی مشن تھا۔ ایک مکمل ریاست ایسی وجود میں آگئی جو ایک طرف اپنے داخلی نظام میں اسلام کے اصولوں کا پورا اعلیٰ مظاہرہ کر رہی تھی اور دوسری طرف وہ ساری دنیا میں اسلام کی علمبردار تھی۔

ایسی ایک قوم اور ایسی ایک ریاست بن جانے کے بعد جس طرح خلافتِ راشدہ کے زمانے میں اسلام پھیلا ہے اس کے لیے تاریخ میں "انفجار" (Explosion) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یعنی جیسے کوئی بم پھٹتا ہے اس طرح اسلام دنیا میں پھیلنا شروع ہوگیا اور چند سال کے اندر وہ دیکھتے دیکھتے افغانستان اور ترکستان سے لے کر شمالی افریقہ تک ایک سیلِ رواں کی طرح پھیلتا چلا گیا۔ یہ حیرت انگیز انفجار آخر کس چیز کا نتیجہ تھا؟ آج بھی آپ جا کر دیکھ لیجیے کہ عرب کے لوگ کتنے کچھ تنومند ہیں، یہ بھی دیکھیے کہ عرب کی سرزمین میں کتنے کچھ ذرائع و وسائل ہیں۔ تیل کا ذکر نہ کیجیے، وہ تو اب برآمد ہوا ہے۔ اسے چھوڑ کر دیکھیے کہ وہاں کیا دھرا ہے ـــــ یہ بھی دیکھیے کہ عربوں کی تعداد کتنی ہے۔ شاید اس وقت جزیرۃ العرب کی آبادی ایک کروڑ سے بھی کم ہے اور خلافت راشدہ کے زمانے میں یقیناً بہت کم ہوگی۔ ایسی ایک قوم کا اتنے بڑے رقبۂ زمین پر یوں اچانک

حاوی ہو جانا درحقیقت مادی طاقت میں برتری کا نتیجہ نہ تھا اصل چیز جس نے دنیا کو مسخر کیا وہ پوری مسلمان قوم کا اور اس کے ایک ایک مسلم فرد کا وہ رویہ تھا جو صلح اور جنگ اور مفتوح علاقو کے نظم و نسق اور مفتوح آبادیوں کے ساتھ برتاؤ میں ظاہر ہوتا تھا۔

ایران اور روم کی سلطنتوں کے ماتحت جو لوگ رہتے تھے انھوں نے اپنی آنکھوں سے کیا معنی کبھی اپنے تصوّر میں بھی وہ گورنر نہ دیکھے تھے جو سڑکوں پر پیدل چلیں، عام آبادیوں میں عام انسانوں کی طرح رہیں، ہر وقت اپنے دروازے ان لوگوں کے لیے کھلے رکھیں جنہیں کسی مدد کی ضرورت ہو، اور جس آدمی کو بھی کوئی تکلیف پہنچے وہ ان کا دامن پکڑ کر کہہ سکے کہ مجھے یہ شکایت ہے اس کو رفع کیجیے۔ انھوں نے کبھی خواب میں بھی ایسے گورنر نہ دیکھے تھے اور نہ وہ سوچ سکتے تھے کہ دنیا میں ایسے بھی گورنر ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب اس مسلم معاشرے نے ان ممالک میں داخل ہو کر ایسے گورنر لوگوں کو آنکھوں سے دکھا دیئے تو آخر کتنے لوگ ایسے ہو سکتے تھے جو اندھے تعصب میں مبتلا ہو کر اس اخلاقی برتری کو تسلیم نہ کرتے ؟

ان کی فوجوں نے دنیا کے سامنے یہ نمونہ پیش کیا کہ ایک مفتوح شہر میں وہ داخل ہوتی ہیں، دونوں طرف بالاخانوں پر بنی ٹھنی عورتیں ان کے گزرنے کا تماشا دیکھنے کھڑی ہیں مگر ایک سپاہی بھی آنکھ اُٹھا کر کسی بالاخانے کی طرف نہیں دیکھتا۔ پوری فوج گزر جاتی ہے اور اس کو پتہ نہیں چلتا کہ اوپر عورتیں کھڑی ہیں۔ یہ مفتوح لوگ صدیوں سے جو کچھ دیکھتے چلے آرہے تھے اور ان کے باپ دادا نے جو قصے ان کو سُنائے تھے وہ تو یہ تھے کہ جب کوئی فاتح فوج کسی بستی میں داخل ہوتی ہے تو اس کی ایک عورت کا بھی دامنِ عصمت تار تار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ فوج ان لوگوں کے دل نہ جیت لیتی جو علاقوں پر علاقے فتح کرتی ہے مگر کہیں کسی کی عزت و آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالتی۔

ان نئے فاتحوں نے اخلاق کا یہ نرالا کرشمہ بھی دکھایا کہ اگر دشمن کے دباؤ سے کبھی کوئی جیتا ہوا علاقہ انھیں چھوڑنا پڑ گیا تو نظم و نسق کے لیے عوام سے جو ٹیکس انھوں نے وصول کیے تھے وہ سب یہ کہہ کر انھیں واپس کر دیئے کہ یہ ٹیکس ہم نے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے وصول کیے تھے، اب چونکہ ہم اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکتے اس لیے تمہارا روپیہ واپس کرتے ہیں۔ لوگ اس وقت تک جن حکمرانوں سے واقف تھے ان کا حال یہ تھا کہ اگر انھیں کبھی کوئی علاقہ چھوڑنا پڑ جاتا تھا تو لیا ہوا روپیہ واپس کرنا تو درکنار، جو کچھ لوگوں کے پاس ہوتا تھا وہ بھی لوٹ کر چلتے بنتے تھے۔ یہ اولیاء اور انبیاء کا سا اخلاق کسی حاکم گروہ میں دیکھنے کی کسی کو توقع نہ تھی کہ وہ سیاست اور ملک داری میں اس امانت و دیانت سے کام لے گا۔

طاقت کا اصلی راز

یہ تھی وہ اصل طاقت جس سے ابتدائی دور کے مسلمانوں نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو مسخر کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی تلواروں نے جتنا کام کیا اس سے کہیں زیادہ کام ان کے اخلاق و کردار نے کیا چونکہ ایک ایک آدمی پورے شعور کے ساتھ اسلام کو سمجھ کر ایمان لایا تھا اور سمجھنے کے بعد پھر اس کے مطابق اس نے اپنی سیرت بنالی تھی، اس لیے جس حیثیت میں بھی انھوں نے کام کیا اس میں اسلام کی صحیح نمائندگی کی، اور اس کی وجہ سے دنیا کی کوئی طاقت ان کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکی۔ ان کی تلوار کی کاٹ سے پہلے ان کے اخلاق کی کاٹ لوگوں کے دلوں کے اندر اتر چکی ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے جو علاقے انھوں نے فتح کیے وہاں کی آبادی ان کی سیاسی غلام نہیں بنی بلکہ ان کی مرید اور معتقد بن گئی۔ اس نے ان کا مذہب اختیار کر لیا، ان کی تہذیب قبول کر لی۔ حتیٰ کہ ان کی زبان بھی قبول کر لی۔ آج وہ مفتوح آبادی اپنے ان فاتحوں کو اپنا ہیرو اور اپنا مقتدا مانتی ہے۔ اور اپنی ہی قوم کے کافر اسلاف کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے کے

لیے تیار نہیں ہے۔ کیا دنیا میں کبھی تلوار بھی یہ کرشمہ دکھا سکتی ہے؟

یہ ہماری تاریخ کا پہلا مرحلہ تھا۔ میرے پیش نظر اس وقت اس کی تفصیلات بیان کرنا نہیں ہے اپنے موضوع کے لحاظ سے دراصل جو بات میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مرحلۂ آغاز میں اسلام کو دنیا کے بڑے حصّے پر جو زبردست غلبہ حاصل ہوا تھا وہ صرف اس چیز کا نتیجہ تھا کہ ایک پوری قوم نے بحیثیت مجموعی اس کو شعور اور اخلاص کے ساتھ اپنا لیا تھا، اس کے افراد کی سیرتوں میں اور اس کے اجتماعی کردار میں اسلام کا ٹھیک ٹھیک عملی مظاہرہ ہونے لگا تھا اور ایک ایسی ریاست وجود میں آگئی تھی جو خدا کا کلمہ بلند کرنے کو اپنا نصب العین قرار دے کر اپنے تمام ذرائع و وسائل اس پر لگا دینے کے لیے تیار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کو ابتدا ہی میں وہ پرزور حرکت (Momentum) ملی جس کے اثرات ۱۳ سو برس گزر جانے پر بھی آج تک چل رہے ہیں اس گئی گزری حالت میں بھی آپ دیکھ لیں، آج بھی مسلمان قوم پر تاریخ کے اس ابتدائی مرحلے کا ٹھپّہ موجود ہے۔ ایک مسلمان خواہ کتنا ہی بگڑا ہوا ہو اور کتنے ہی اس کے اخلاق خراب ہو چکے ہوں، مگر جب بھی آپ اس کو ٹٹول کر دیکھیں گے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے سامنے اگر کوئی مطمح نظر ہے تو وہی سوسائٹی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں تھی۔ اس مطمح نظر کو وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ گویا ایک آفتاب ہے جو ہر وقت اس کے سامنے چمک رہا ہے۔ اور وہ اسے نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ ہر مسلمان آج بھی اسی مثالی دور کو اپنے لیے نمونہ سمجھتا ہے، اسی کا گرویدہ ہے اور اسی کو پھر ایک دفعہ دیکھنے کی تمنّا دل میں لیے ہوئے ہے۔

خلافتِ راشدہ کے بعد سے آج تک دنیا میں اسلام برابر پھیلتا چلا گیا ہے اور روئے زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس میں وہ نہ پہنچا ہو۔ اس کی یہ ساری توسیع اس کے باوجود ہوتی رہی

ہے کہ ہمارے اندر عیاش امراء بھی موجود رہے، ہم میں ظالم حکمراں بھی موجود رہے اور ہماری قوم میں بدکردار لوگوں کی بھی کمی نہیں رہی ہے۔ ایک مدتِ دراز سے ہم کوئی مثالی قوم نہیں ہیں۔ جس کی کشش دنیا کو اپنی طرف کھینچے۔ اس کے باوجود اسلام دنیا میں پھیلتا رہا ہے اور آج بھی پھیل رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے نمونہ کو دیکھ کر لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ دراصل لوگ یہ سمجھتے ہوئے اسلام کو قبول کر رہے ہیں کہ اصل اسلام وہ ہے جس کا نمونہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفاء اور اصحاب نے پیش کیا تھا اسی کو لوگ حق سمجھتے ہیں۔ اور اسی کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ پھر مسلمانوں میں آج تک خیال اور عمل اور سیرت و اخلاق کی جو بھلائی بھی پائی جاتی ہے وہ سب اسی ابتدائی دور کے باقی ماندہ اثرات ہیں جو تیرہ صدیوں کے بعد بھی اپنا کام کیے چلے جا رہے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری تاریخ کا وہ مرحلہ ایسا نہ تھا کہ اس کا ٹھپہ بالکل ضائع ہو چکا ہو اور اس کے اثرات ختم ہو چکے ہوں۔ نہیں آج بھی اسلام کے اندر جو حرکت پائی جاتی ہے وہ ساری کی ساری اسی تحریک کے نتیجہ میں پائی جاتی ہے۔

دورِ ملوکیت اور اُس کے تہذیبی اثرات

اس کے بعد دوسرے مرحلے کو لیجیے۔ ہماری تاریخ کا یہ دوسرا مرحلہ اس وقت سے شروع ہوا جب اسلام نہایت تیزی کے ساتھ دنیا کے طول وعرض میں پھیل گیا۔ اور اتنی کثیر تعداد میں خلقِ خدا مسلمان ہوئی کہ ابتدائی شعوری مسلمانوں کے لیے اتنی بڑی تعداد کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا مشکل ہو گیا۔ باوجود اس کے کہ بہترین اخلاق کے لوگ موجود تھے، اور ان کی زندگیوں اور ان کے سیرت وکردار اور اعمال کو دیکھ کر ہی لوگ اسلام کے گرویدہ ہو کر دینِ حق کو قبول کر رہے تھے، اور یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا منظر لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اعلانیہ موجود تھا۔ لیکن اس کا امکان نہیں تھا کہ یہ لاکھوں کروڑوں آدمی جو اسلام کے دائرہ میں آرہے تھے ان سب کی زندگی میں بھی ویسا ہی انقلاب پیدا کیا جاسکتا، جیسا کہ ابتدائے اسلام میں رونما ہوا تھا اس کی وجہ سے آہستہ آہستہ مسلمانوں کی آبادی میں ایسے مسلمانوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی جو صحیح معنوں میں پورے پورے مسلمان ہوتے اسلام کو سمجھے ہوئے ہوتے اور ان کی زندگی ٹھیک ٹھیک اسلام کے مطابق ہوتی۔ ایک طرف تو ایسے لوگوں کی تعداد نسبتاً کم ہوتی چلی گئی جو پوری طرح اسلام کا فہم رکھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوتے، اور دوسری طرف ان لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی گئی جو اگرچہ اسلام کے معتقد ہو کر آئے تھے اور انھوں نے اسلام کو ایمان داری سے قبول کیا تھا مگر ان کے کیریکٹر اور ان کی سیرت وکردار ٹھیک ٹھیک اسلام کے سانچے میں نہ ڈھل سکے، اور جن کو دین کا پوری طرح فہم اور اس میں تفقہ حاصل نہیں تھا۔ اس چیز کے نتیجے میں ایک انقلاب رونما ہوا اور وہ انقلاب اس شکل میں رونما ہوا کہ خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔[1]

ملوکیت کی کامیابی کے وجوہ

خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہونے کے بہت سے اسباب بیان کیے جاتے ہیں، لیکن میرے نزدیک اصل وجہ یہی تھی کہ مسلم معاشرے میں اسلام کا فہم رکھنے والے مسلمان بہت ہی کم ہوتے گئے۔ اور ایسے مسلمان جو ٹھیک ٹھیک اسلام کے مطابق سیرت و کردار رکھتے ہوں ان کی تعداد روز بروز کم سے کم تر ہوتی گئی۔ اور اس کے برعکس ایسے لوگوں کی تعداد جو اسلام کا زیادہ فہم نہیں رکھتے تھے اور جن کے سیرت و کردار پوری طرح اسلامی تعلیمات کے مطابق نہ تھے اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ ان کی نا سمجھی و نادانی کے اثرات سے مسلم معاشرے کو بچایا نہیں جا سکتا تھا۔ نیز ان کی اخلاقی کمزوریوں کے اثرات سے بھی مسلم معاشرہ محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس چیز کے نتیجے میں خلافت کی جگہ ملوکیت آگئی یہ مرحلہ کئی صدیوں تک ہماری تاریخ میں رہا ہے۔ میرے لیے ممکن نہیں ہے کہ اس تقریر میں اس مرحلے کے تمام اثرات اور اس کے اندر جو کارفرما عوامل تھے ان سب کا تفصیل سے ذکر کروں۔ میں اس وقت صرف چار پانچ بڑے بڑے اہم نتائج کو بیان کرتا ہوں جن کا ٹھپہ ہمارے آج کے حالات پر بھی نظر آتا ہے۔ ہمارے "حال" کے اندر اس "ماضی" کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

انتشارِ قیادت

ملوکیت کا سب سے پہلا اور بنیادی نقصان یہ ہوا کہ مسلم ملت کی قیادت دو حصوں میں بٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے عہد میں مسلم ملت کی قیادت ایک مرکز پر جمع تھی۔ غرض ہر شعبہ میں خواہ وہ روحانی ہو، یا اخلاقی، علمی و فکری ہو یا سیاسی، یہ سب قیادتیں ایک مرکز میں مرکوز تھیں۔ ایک ہی جگہ سے مسلمانوں کے سیاسی معاملات بھی چلائے جا رہے تھے۔ ان کی عدالت کا انتظام بھی ہو رہا تھا ان کی مملکت کا نظم و نسق بھی چلایا جا رہا تھا۔ ان کی فوجیں بھی لڑائی جا رہی تھیں اور وہی لیڈر جو یہ سارا کام کر رہے تھے، وہی

(بقیہ صرگذشتہ) اس موضوع کے تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو "خلافت و ملوکیت" از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور رسائل و مسائل۔ جلد اوّل۔ (مرتب)

مسلمانوں کے اخلاقی رہنما بھی تھے۔ وہی ان کے ذہنی رہنما بھی تھے، وہی ان کے روحانی پیشوا بھی تھے۔ یہ پوری کی پوری لیڈر شپ یکجا تھی۔ لیکن ملوکیت کا دور جب آیا تو لیڈر شپ کے اندر ایک تقسیم (Rift) واقع ہوگئی اور وہ متفرق ہوگئی۔ اب جہاں تک فرماں رواؤں کا تعلق تھا وہ صرف سیاسی لیڈر تھے۔ اور جہاں تک کہ مسلمانوں کی اخلاقی اور ذہنی اور روحانی لیڈر شپ کا تعلق تھا وہ علماء، فقہاء، اور صوفیاء کی طرف منتقل ہوگئی۔ فقہاء مسلمانوں کے دینی، اخلاقی اور روحانی رہنما بنے، اور بادشاہ مسلمانوں کے سیاسی معاملات کے رہنما بنے۔ ان دو قسم کی قیادتوں کی علیحدگی بجائے خود ایک فتنہ اور مصیبت تھی۔ اس کے بُرے اثرات پڑنے ناگزیر تھے اس پر مزید یہ صورت پیش آئی کہ سیاسی لیڈر شپ اپنی عین فطرت کے لحاظ سے اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں دخل دے اور زندگی کے ہر پہلو پر اپنا سکّہ جمائے، چنانچہ سیاسی لیڈر شپ نے دینی اور اخلاقی شعبوں پر بھی اثر انداز ہونے کی کوشش شروع کر دی۔ علماء و فقہاء و صوفیاء کے لیے اس بات کا تسلیم کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہ دین اور اخلاق کے معاملات میں ان لوگوں کی ایسی مداخلت کو برداشت کریں کہ جس سے دین کا حلیہ ہی بگڑ جائے۔ فکر اسلامی کے اندر تغیّر واقع ہو جائے اور مسلمانوں کے اخلاقی اصول تبدیل ہو جائیں۔ وہ بہر حال اس کے لیے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دو قسم کی قیادتیں ایک دوسرے سے متغائر ہوتی گئیں، اور ان کے درمیان تعاون کے بجائے کشمکش شروع ہوگئی جو اسلام کے عصر حاضر کی پوری تاریخ میں نظر آتی ہے۔ بلا شبہ ہمارا دور ملوکیت بھی دنیا کی دوسری قوموں کے ادوار ملوکیت سے بہت بہتر رہا ہے۔ گو ملوکیت اپنے جلو میں بہت سی خرابیاں لائی۔ لیکن پھر بھی ہماری تاریخ میں وہ تاریک دور کہیں نظر نہیں آتا جو دوسری اقوام کی تاریخ میں سب سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے بلکہ میں اس بات کی داد دیتا ہوں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں اتنے صالح بادشاہ گذرے ہیں کہ دنیا کی کسی اور قوم نے اتنے صالح بادشاہ پیدا نہیں کیے لیکن اس ملوکی نظام میں جو

صالح افراد گزرے ہیں ان کو دل کھول کر خراجِ تحسین ادا کرنے کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ مجموعی طور پر اس نظام کے لازمی اور فطری نتائج و اثرات نقصان دہ تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومتیں اسلام کی علمبرداری سے دست بردار ہوگئیں۔ علاوہ اسلام کا کلمہ بلند کرنے والی رہیں اور ان کا کام بڑی حد تک ممالک فتح کرنا اور خراج وصول کرنا رہ گیا۔ اور بالآخر اس کا نتیجہ وہ ہوا جو آج اپنی موجودہ حالت میں ہم دیکھتے ہیں۔ آج آپ میں سے بہت سے لوگ اُن علاقوں سے ہجرت کر کے یہاں آئے ہوئے ہیں جن علاقوں میں آٹھ سو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ دہلی اور اس کے نواح کے علاقے، یہ مشرقی پنجاب کا علاقہ، یہ یوپی کا علاقہ، دکن کا علاقہ، یہ وہ علاقے ہیں جہاں صدیوں مسلمانوں کے ہاتھ میں حکومت رہی ہے۔ اگر یہ حکومتیں اسلام کی علم بردار ہوتیں اور اپنا نصب العین یہ سمجھتیں کہ دنیا میں اسلام کو پھیلایا جائے تو آج آپ کو ان علاقوں سے ہجرت کرنے کی نوبت نہ آتی۔ آپ یہاں اس وجہ سے بیٹھے ہوئے ہیں کہ ان حکمرانوں نے بحیثیت مسلم حکمراں کے اپنے فریضے کو انجام نہیں دیا۔ اس کا ایک اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام جو کچھ بھی پھیلا وہ علماء اور صوفیاء کی کوششوں سے پھیلا۔ حکمرانوں کا نہ صرف یہ کہ اس کے پھیلنے میں کوئی دخل نہیں تھا بلکہ حکمرانوں کا یہ رویّہ بالعموم اس کے پھیلنے میں مانع ہی تھا۔ حکمرانوں نے اپنے ظلم و ستم سے، اپنے جبر سے اپنی زیادتیوں سے، اپنی عیاشیوں سے، اپنے بُرے اخلاق کے مظاہرات سے اسلام کے خلاف نفرت ہی پیدا کی، اسلام کے لیے رغبت پیدا کرنے والے کام کم ہی کیے۔ ایسے حکمراں جو بلاشبہ صالح تھے، میں ان کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ لیکن بحیثیت مجموعی بادشاہی نظام نے کیا خدمت انجام دی، وہ آپ کے سامنے ہے۔ خصوصیت سے ان بادشاہوں نے جن پر ابتدائی تحریک کے اثرات برائے نام ہی رہ گئے تھے۔

تعلیم و تربیت کی کمی

حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ بھی اسلام پھیلا ہے وہ علماء، و صوفیاء اور نیک صفت بزرگوں کی بدولت ہی پھیلا ہے۔ لیکن یہ حضرات

یہی تو کرسکتے تھے کہ لوگوں کو اپنی گفتار و کردار سے متاثر کریں، انھیں حق پر چلنے کی ہدایت دیں، اپنی اعلیٰ درجے کی پاکیزہ زندگیوں سے، اپنے مواعظ سے خدا کے بندوں کے سامنے صحیح راہِ عمل واضح کریں، لیکن ان کے بس میں یہ تو نہیں تھا کہ وہ لاکھوں بندگانِ خدا جو اسلام قبول کررہے تھے ان کی تعلیم و تربیت کا بھی بندوبست کرسکتے۔ یہ کام حکومت کے کرنے کا تھا لیکن حکومت کو اس کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اگر ایک حکومت ایسی موجود ہوتی جو اس معاملہ میں ان کے ساتھ تعاون کرتی اور وہ کم از کم یہ ہی کرتی کہ جن لوگوں کو وہ اسلام کے دائرے میں اپنی شخصی کوششوں سے لارہے تھے ان کی تعلیم و تربیت کا بڑے پیمانہ پر انتظام کردیتی تو کیفیت ہی دوسری ہوتی۔ لیکن یہاں ہوا یہ کہ ایک مردِ خدا اٹھتا ہے اور وہ اپنی پاکیزہ زندگی اور اعلیٰ سیرت و کردار کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ عوام النّاس اسے دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں اس دعوت کے لیے ان کا دل نرم ہوجاتا ہے جسے وہ شخص پیش کررہا ہے۔ وہ آگے بڑھ کر خود کہتے ہیں کہ ہمیں بھی اس دین میں داخل کرلیجیے۔ جس کی بدولت یہ اخلاق اور یہ اعلیٰ درجہ کی زندگی آپ کو حاصل ہوئی ہے۔ وہ شخص اور اس جیسے صدہا افراد لوگوں کو کلمہ پڑھواتے ہیں، ان کا نام تبدیل کرواتے ہیں، ان کو اسلامی زندگی کے ضروری آداب و انداز سکھاتے ہیں، اس سے زائد وہ بچارے کیا کرسکتے تھے۔ اس کے بعد مسلمان حکومتوں کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے تھی۔ لیکن افسوس کہ حکومتوں نے اس معاملے میں اپنے فرض کو محسوس نہیں کیا۔ ملّت کے مخیّر حضرات نے اپنے اپنے زمانے میں بیشک اوقاف قائم کرکے اس معاملے میں کچھ انتظامات کیے، انھوں نے مدارس قائم کیے اور اپنی حد تک تعلیمی سہولتوں کے فراہم کرنے کی کوشش کی، لیکن جب تک کہ حکومت اس معاملے میں اپنی ذمہ داری محسوس نہ کرتی اور عام آبادی کی تعلیم کی فکر نہ کرتی اس وقت تک ظاہر ہے کہ وہ لوگ بھی جو اس وقت تک اسلام قبول کرچکے تھے۔ ان کو پوری طرح عملی طور پر مسلمان بنانا اور ان کو جاہلیت کی رسموں سے نکالنا ممکن نہ تھا۔

آج آپ جس حال میں ہیں اس حالت میں بھی وہ ٹھپّہ پایا جاتا ہے جو اس مرحلے کا ہے۔ آپ کی عام آبادیوں میں کروڑوں مسلمان ہیں جن میں آپ دیکھتے ہیں کہ کتنی جہالت کی رسمیں ہیں۔ کس قدر اسلام کے شعور سے لوگ خالی ہیں۔ مسلمان ہوتے ہوئے کتنی ہندویت لوگوں میں ہے اور کتنے بدھ مذہب کے اثرات لوگوں کی زندگیوں میں ہیں اور کتنا کچھ انہوں نے اسلام سے قبل جو کچھ وہ تھے اس زمانے کی سوسائٹی کے کتنے کچھ اثرات انھوں نے اپنے اندر رکھ چھوڑے ہیں۔ آج بھی آپ کی زندگی کے اندر اس کا ٹھپّہ موجود ہے۔ یعنی آپ کا جو "آج" ہے وہ "کل" کے نتائج میں ہے۔

عصبیتوں کا فروغ

پھر اس دور کی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ رونما ہوئی کہ مسلمانوں کے اندر نسلی، قبائلی اور وطنی عصبیتیں ابھرنی شروع ہوئیں، یہ بیماری بنو امیہ کے زمانے میں رونما ہو چکی تھی۔ اور اس کے بعد برابر مسلم سوسائٹی میں ایک وبا کی طرح پھیلتی رہی ہے، بار بار جیسے طاعون اور ہیضے کی وبائیں پھوٹتی رہی ہیں، اس طرح سے نسلی قبائلی علاقائی اور جغرافیائی عصبیتیں مسلمانوں کے اندر اٹھتی رہی ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی سلطنتیں اس پہاڑ سے ٹکراتی تھیں۔ بنی امیہ کا خاتمہ اسی وجہ سے ہوا۔ عرب قبائل کی داستانوں میں یہی چیز ملتی ہے۔ اندلس میں بنی امیہ کا خاتمہ، حتیٰ کہ مسلمانوں کا خاتمہ بھی اسی کی بدولت ہوا۔ مغل ایمپائر جو اسی ملک میں رہی ہے اس کا خاتمہ بھی اسی چیز سے ہوا۔ دکن میں مسلمان ریاستوں کا خاتمہ اسی کی بدولت ہوا۔ جس جگہ بھی آپ دیکھیں گے، آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی تباہی میں، اور بڑی بڑی مسلمان حکومتوں کے تباہ ہو جانے میں بہت بڑا دخل اس بات کا ہے کہ مسلمان، باوجود اس کے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے انھیں کلمۂ اسلام پر جمع کر کے بھائی بھائی بنایا تھا، یہ اس سبق کو بار بار بھولتے رہے اور بار بار ان کے اندر یہ احساس ابھرتے رہے ہیں کہ فلاں پٹھان ہے، فلاں مغل ہے اور فلاں فلاں علاقے کا رہنے والا ہے۔ انہی چیزوں نے

مسلمانوں کو خراب کیا۔ اور یہ ملوکیت کی خرابیوں میں سے ایک خرابی ہے۔ اس ملوکیت کے دور میں خود بادشاہوں نے اس طرح عصبیتوں سے ناجائز فائدے اٹھائے ہیں۔ بنی امیہ کے مقابلے میں بنی عباس کی تحریک اٹھی اور انھوں نے ایرانیوں کو عربوں کے مقابلے میں اُبھارا۔ خود انھوں نے عصبیتوں کو ہوا دے کر اپنے لیے استعمال کیا۔ اپنی بادشاہت قائم کرنے کے لیے۔

اس طرح مسلمانوں کے لیے یہ عصبیت عظمیٰ اسی زمانے میں پیدا ہو چکی تھی اور اپنی "آج" کی زندگی میں بھی آپ اس کے اثرات دیکھتے ہیں۔ اس وقت آپ اسلام کے نام پر جمع ہوتے ہیں تو آپ کو وہ فتح مبین حاصل ہوتی ہے۔ جو آپ کو قیام پاکستان کے وقت حاصل ہوئی تھی لیکن جب آپ کو فتح مبین حاصل ہو چکتی ہے تو پھر اس کے بعد آپ کو یاد آنا شروع ہو جاتا ہے کہ فلاں پٹھان ہے، فلاں بنگالی ہے، فلاں سندھی ہے اور فلاں بلوچی ـــــ اور یہ شامت آنے کی علامت ہے۔ آپ کی پوری تاریخ اس بات کو بتا رہی ہے اور آپ کے "کل" کے اندر جو کچھ ہوا تھا، اس کا ٹھپہ آپ کے "آج" کے اوپر بھی موجود ہے۔

نفس پرستی اس طرح ایک اور بیماری جو اس زمانے میں پیدا ہوئی اور پھر برابر بڑھتی چلی گئی۔ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر سے تمام وفاداریاں ختم ہو گئیں اور صرف اپنی ذاتی وفاداری اور اپنے کنبے کی وفاداری رہ گئی۔ اسلام نے پہلے ساری وفاداریاں نکال دی تھیں، قوم رنگ، وطن اور زبان ان ساری وفاداریوں کو اسلام ختم کر چکا تھا اور اس نے صرف ایک خدا اس کے رسولؐ اور دین کی وفاداری مسلمانوں کو دی تھی۔ جن کے اوپر اس کا پورا کیرکٹر تعمیر ہوتا تھا۔ لیکن ملوکیت کے دور میں یہ چیز آہستہ آہستہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ اور جب یہ وفاداری بھی، جو ان کے کیرکٹر کی بنیاد تھی، ان کے اندر ڈھیلی ہونی شروع ہو گئی، تو ظاہر بات ہے کہ خود غرضی کے سوا باقی کیا رہ جاتا ہے۔ جب ایک آدمی کو کوئی اعلیٰ تر وفاداری نہ ملے تو وہ کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے قربانی نہیں کرتا، پھر وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی ذات اور برادری اور کنبے کے لیے کرتا ہے۔ اس

کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے اندر بھی کرائے کے سپاہی (Mercenaries) پیدا ہونے شروع ہوگئے، کرائے کے سپاہی، کرائے کے ایڈمنسٹریٹر، جس کا جی چاہے کچھ ٹکوں کے عوض ان کی خدمات سے فائدہ اٹھالے۔ گویا ان کی حیثیت یہ ہوگئی کہ کوئی پالتو درندہ ہے کہ اس کو کھانے کو دو اور جس پر چاہو لشکار دو، دوڑ کر لپک جائے گا۔ خود اپنے ملک کی تاریخ میں آپ دیکھیے کہ پہلے کتنے بڑے پیمانے پر ہماری قوم کرائے کے سپاہی مختلف حکومتوں کو فراہم کرتی رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرہٹہ ریاست جو مسلمانوں کی جان و مال، آبرو اور دین کی دشمن تھی اور جس سے ان کی کوئی چیز بھی محفوظ نہ تھی۔ اس ریاست کے اندر مسلمان فوج موجود تھی، ان کے گولہ انداز مسلمان تھے ان کی توپیں چلانے والے مسلمان تھے۔ اس کے بعد انگریز آئے اور یہیں سے انھوں نے کرائے کے سپاہی فراہم کیے اور یہیں کے سپاہیوں سے انھوں نے اس ملک کو فتح کرلیا۔ ان کو باہر سے بہت زیادہ فوج نہیں لانی پڑی۔ یہیں ان کو ملک فتح کرنے والے بھی مل گئے اور یہیں سے مفتوح ملک کا انتظام چلانے والے بھی مل گئے۔ کسی کے اندر یہ احساس نہ تھا کہ ہم کس کے لیے کس ملک کو فتح کر رہے ہیں، اور کس کے لیے کس ملک کا نظم و نسق چلانے کو تیار ہو رہے ہیں۔ اس لیے کہ ساری وفاداریاں ختم ہو چکی تھیں۔ ایک آخری وفاداری اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کے دین کی تھی اس کو بھی ختم کر دیا گیا تھا۔ آخر کار جو چیز باقی رہ گئی، وہ صرف نفس کی وفاداری تھی اور نفس کی وفاداری ہی آدمی کو ایسے کاموں پر آمادہ کر سکتی ہے۔

اس طرح سے آخر کار فلپائن سے لے کر مراکش تک تمام مسلمان ریاستیں ختم ہوتی چلی گئیں، اور مغربی استعمار ان کے اوپر مسلط ہوگیا۔ اس مغربی استعمار کا آپ کے اوپر تسلط کوئی حادثہ نہیں ہے۔ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں ہے، درحقیقت اس کے گہرے تاریخی اسباب ہیں یہاں موقع نہیں کہ میں تمام تاریخی اسباب کا جائزہ لوں۔ مختصراً آپ کے سامنے نقشہ رکھ رہا ہوں کہ اس دوسرے مرحلے میں کیا اسباب تھے کہ جن کی بنا پر آپ تیسرے مرحلے میں داخل ہوئے، اور وہ تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ تمام مسلمان قومیں بلا استثنا

مغربی استعمار کا شکار ہو گئیں، ایک دو ریاستیں اگر باقی رہ بھی گئیں تو وہ مفتوح ہونے سے بدتر پوزیشن میں تھیں۔ اگر ترکی، ایران اور افغانستان بچے بھی تو مفتوح ہونے سے بدتر پوزیشن میں ہو کر بچے۔

تیسرا مرحلہ

غلامی کا دور اور اُس کے اثرات

اب اس تیسرے مرحلے کو لیجیے اور دیکھیے کہ اس میں ہم کن حالات سے گزرے ہیں۔ اس کے متعلق بہت زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی آپ کو اس مرحلے سے گزرے ہوئے پندرہ ہی برس ہوئے ہیں۔ بہت ہی کم لوگ ایسے رہ گئے، اور وہ بھی بیشتر ایسے لوگ ہوں گے جو تقسیم کے وقت چھوٹے چھوٹے بچے تھے، جو سرے سے جانتے ہی نہیں ہیں کہ اس سے پہلے ملک کے کیا حالات تھے۔ ورنہ جو لوگ جوان ہیں وہ تو قریب قریب اس زمانے کو دیکھے ہوئے ہیں۔ میں صرف مختصر طور پر اس کے بارے میں آپ سے عرض کروں گا۔

نئی تعلیم کی تباہ کاریاں

ہماری تاریخ کے اس مرحلے میں مغربی استعمار نے تمام مسلمان ملکوں میں جو کچھ بھی ظلم و ستم مسلمانوں پر کیا اور ان کی سلطنتوں کو برباد کیا، ان کی زرخیز زمینوں پر قبضے کیے، ان کے اوقاف کے اوپر قبضے کیے، ان کی جان مال، عزت آبرو، ہر چیز پر دست درازیاں کیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ جتنے مظالم بھی کیے ان سب کی نسبت، سب سے بڑا ظلم جو انھوں نے ہمارے اوپر کیا وہ یہ کہ ایک

نیا تعلیمی نظام ہمارے اندر رائج کر دیا۔ ہمارے نظامِ تعلیم کو انھوں نے معطل کیا اس کو بیکار کر کے ڈال دیا اور ایک نیا نظامِ تعلیم ہمارے اوپر مسلّط کر دیا۔ اس طریقے سے انھوں نے یہ کوشش کی کہ ہمارے اندر وہ نسلیں پیدا کی جائیں کہ جو اپنے آپ سے متنفّر ہوں۔ اپنی روایات سے بیگانہ ہوں، اپنی تاریخ کو ذلّت کی نگاہ سے دیکھیں، اپنی تہذیب کو از کار رفتہ (Out of date) سمجھیں، وہ یہ باور کریں کہ ان کا کلچر بالکل فرسودہ ہے اور ان کا اپنا نظامِ فکر و عمل اس قابل نہیں ہے کہ اس زمانے میں اس پر عمل کیا جا سکے۔ ان کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھائی جائے کہ علم ہے تو وہ مغرب سے آیا ہے، تہذیب ہے تو وہ مغرب سے آئی ہے، اخلاق ہے تو وہ مغرب کا ہے، غرض یہ ہے کہ انسانیت کا اگر کوئی نمونہ ہے کوئی مثالی اور آئیڈیل تصوّرِ انسانیت ہے تو وہ، وہ ہے جو مغرب کے ہاں ہے۔

یہ سب سے بڑا ظلم تھا جو انھوں نے ہمارے ساتھ کیا۔ جو نظامِ تعلیم ہمیں اپنے دین سے واقف کرنے والا تھا اور ہمارا رشتہ، ہماری روایات سے مربوط کرنے والا تھا، وہ ہمیں ہماری تہذیب سے وابستہ کرنے والا تھا، وہ نظامِ تعلیم معطل ہو گیا۔ مارکیٹ میں اس کی کوئی قیمت باقی نہ رہی۔ اس وجہ سے مسلمانوں میں جس جس کے اندر بھی دنیوی ترقی کی کوئی خواہش تھی وہ اس نظامِ تعلیم سے منہ موڑتا چلا گیا۔ اس کے اثرات ہمارے معاشرے پر بڑے دور رس پڑے ــــــ کچھ ہی عرصے کے اندر ہمارے بہترین لوگ، ہمارا وہ طبقہ جو کھاتا پیتا تھا، ذہانت بھی رکھتا تھا اور علمی استعداد و صلاحیت بھی، جس کے اندر قوتِ عمل بھی تھی اور فکری قوّت بھی، اور جس کے اندر لیڈرشپ کی صلاحیتیں بھی تھیں، وہ سارے کے سارے حالات کی منطق سے مجبور ہو کر اس نظامِ تعلیم کی طرف گئے جو ہمیں ہمارے دین سے، ہماری تاریخ سے، ہماری تہذیب سے نہ صرف بیگانہ کرنے والا تھا بلکہ متنفر کرنے والا تھا۔

انتقالِ قیادت

اس کے ساتھ انھوں نے یہ کیا کہ تمام ترقیات کے جتنے امکانات تھے وہ سارے کے سارے ان لوگوں کے لیے مخصوص کردیے جو اس نظام تعلیم کے تحت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انھوں نے ایسی پالیسی اختیار کی کہ جس کا حاصل یہ نکلتا تھا کہ اگر دنیا میں پھلنا پھولنا چاہتے ہو، حتیٰ کہ اگر دنیا میں جینا چاہتے ہو اور اپنی بھلائی کے خواہش مند ہو تو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم اپنے بچوں کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم تمہاری نسلوں کو تمہارے دین سے بے گانہ کردیں۔ یہ کام انھوں نے بڑے پیمانے پر اور تمام مسلمان ملکوں میں کیا۔ مشرق سے مغرب تک وہ جہاں بھی گئے انھوں نے اس کارنامے کو انجام دیا۔ خواہ انگریز ہوں، خواہ ڈچ ہوں خواہ بلجین ہوں، خواہ فرنچ ہوں، خواہ جرمن ہوں، غرض جس جس مسلمان ملک پر جو مغربی قوم بھی مسلّط ہوئی، ہر جگہ اس نے اس کام کو انجام دیا۔

اس کے بعد جو لوگ اس نظامِ تعلیم سے فارغ ہو کر نکلنے والے تھے وہ اپنے نظم و نسق میں اور ملک کی معاشی زندگی کے نظام میں جگہ دینے کے لیے جو عملاً پالیسی انھوں نے اختیار کی وہ یہ ہے کہ جو آدمی اسلام کے اثرات سے جتنا خالی ہو، اتنے ہی زیادہ بلند مراتب پر اسے فائز کیا جائے۔ اس بات کو باقاعدہ قانونی شکل دے کر نافذ تو نہیں کیا گیا اور نہ ہی فی الحقیقت اسے تحریر میں لانے کی ضرورت تھی اور نہ ملازمتوں کے قواعد و ضوابط میں درج کرنے کی بات تھی۔ بس عملی رویہ اور انتظامی پالیسی بحیثیت مجموعی یہ تھی کہ جتنا زیادہ اسلام کے اثرات سے خالی اور مغربیت میں رنگا ہوا ہو ترقی کے مواقع اتنے ہی اس کے لیے زیادہ ہیں۔ اس طرح سے آہستہ آہستہ انھوں نے بتدریج یہ کوشش کی کہ جہاں جہاں بھی مسلم معاشرہ موجود تھا وہاں بلند ترین مناصب (Top Positions) پر وہ لوگ آجائیں، جن کا نام مسلمانوں جیسا ہو مگر عملاً وہ مسلمان نہ ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ ہی عرصے کے بعد نظم و نسق ہے تو اس کے اندر بڑے بڑے مراتب

انہی کے پاس ہیں، اگر معاشی زندگی ہے تو اس کے کلیدی مقامات ان پر وا ہیں۔ یہ پالیسی تمام مسلمان ملکوں میں رہی ہے۔ آپ جہاں بھی جا کر دیکھیں گے یہی پالیسی کارفرما نظر آئے گی۔

آزادی کی تحریکیں

جب مسلمان ملکوں میں آزادی کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں اور مغربی لٹریچر اور مغربی تاریخ کے مطالعہ سے لوگوں کے اندر یہ جذبہ اُبھرا تو حالات کی منطق ہی کا یہ تقاضا تھا کہ ان تحریکوں کے لیڈر وہ لوگ ہوں جو حکمراں قوم کی زبان بول سکتے ہوں اور حکمراں قوم ان کی زبان سمجھ سکتی ہو جو حکمراں قوم کے مزاج سے واقف ہوں۔ جو اس بات کو جانتے ہوں کہ حکمراں قوم کے ساتھ معاملہ کیسے کرنا ہے۔ یہ حالات کی منطق کا تقاضا تھا کہ اس طرح کے لوگ مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کے لیڈر بنیں۔ اس کے سوا مسلمانوں کے لیے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ جو ان کے مذہبی مدارس کے نکلے ہوئے لوگ تھے وہ اس موقع پر مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے موزوں نہ تھے۔ ممکن نہیں تھا کہ وہ ان کی رہنمائی کا کام انجام دیں اور آزادی کی لڑائیاں لڑیں۔ لامحالہ مسلمانوں نے ایسے لوگوں کو آگے کیا اور ان کی رہنمائی میں انھوں نے کام کرنا شروع کر دیا۔ ہر جگہ ہر مقام پر پورے دور میں آپ دیکھیں گے کہ مغرب سے لے کر مشرق تک تمام مسلمان ملکوں میں آزادی کی تحریکوں کے لیے جو مسلمان لیڈر اُٹھے ہر جگہ انھوں نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو اپیل کیا۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ یہ کام نہیں کر سکتے تھے، ہر جگہ ان لیڈروں نے مسلمانوں کو دین کے نام پر پکارا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ اسلام اور کفر کی جنگ ہے۔ جو ہم لڑ رہے ہیں اور اس کے اندر تم اپنی جانیں دو، اور اپنے مال کی قربانی دو اور محنتیں صرف کرو تاکہ اسلام قائم ہو۔

یہ کھیل صرف ایک ہی ملک میں نہیں کھیلا گیا، آپ جس مسلمان ملک کے حالات بھی دیکھیں وہاں یہی چیز آپ کو نظر آئے گی۔ الجزائر کی قومی آزادی کی جو جنگ لڑی گئی

ہے وہاں بھی یہ صورت پیش آئی ۔ میں نے خود حالات کے قریبی مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور مصر میں الجزائری لیڈروں سے اس موضوع پر بات چیت کی ہے جس سے اس کی توثیق ہوئی ہے ۔

الجزائری رہنماؤں نے ہمیں بتایا ہے کہ جب تک وہ الجزائر کے عام آدمیوں سے یہ نہ کہیں کہ یہ اسلام اور کفر کی جنگ ہے اور خدا کی راہ میں جہاد ہے ، اس وقت تک ایک الجزائری بھی آگے بڑھنے کو تیار نہیں ہوتا ۔ یعنی دین کے نام پر ان کو پکارا گیا دین کے نام پر وہ اُٹھے اور انھوں نے وہ وہ مظالم برداشت کئے ، وہ وہ قربانیاں دیں ، ایسے ایسے نقصانات اُٹھائے کہ انسان عش عش کر اُٹھتا ہے کہ ایک قوم اس زمانے میں یہ کچھ کر سکتی ہے ۔

اسی طرح سے مثلاً ترکی میں جب یونانی جنگ عظیم اوّل کے اُس " ایشیائے کوچک میں " گھس آئے تو اس وقت مصطفےٰ کمال پاشا نکلتا تھا اور وہ افواج میں جاتا تھا ، ہاتھ میں قرآن مجید ہوتا تھا اور وہ کہتا تھا کہ اے ترکو ! تم جانتے ہو کہ یہ کون سی کتاب ہے اور وہ کہتے تھے کہ یہ قرآن ہے ۔ تو وہ کہتا تھا کہ اگر تم میرے ساتھ ہو کر ان یونانیوں سے نہ لڑو گے تو پھر یہ کتاب اس سرزمین میں نہ رہے گی ۔ اور اس طرح اس نے مسلمانوں کو اُبھارا اور اس طریقے سے آخر کار ترکوں نے اپنی جانیں لڑا کر یونانیوں کو باوجود اس کے کہ ہتھیاروں کی کمی تھی اور یونانیوں کی پشت پر تمام اتحادی ممالک کی طاقت تھی ، اس سارے کے باوجود مسلمانوں نے گہرے جذبے کے ساتھ قربانیاں دیں تو آخر کار یونانیوں کو دھکیل کر نکال دیا ۔

اسی طرح جس مسلمان ملک کو بھی آپ دیکھیں گے وہاں آپ کو یہی نظر آئے گا کہ

لیڈر رہیں تو وہ لوگ جو اسلام سے بے گانہ، اس سے بالکل ناواقف، نہ اس کا شعور، نہ اس کا علم اور نہ ان کے اندر کوئی ارادہ اسلام کے مطابق کام کرنے کا، کیونکہ ان کے مذاق، ان کی اقدار (Values) تبدیل ہو چکی تھیں، وہ کسی دوسری تہذیب کے پروردہ، مسلمان مجبور تھے کہ لیڈر ان لوگوں کو بنائیں اور ان لوگوں نے ہر جگہ مسلمانوں سے ان کے دینی جذبے ہی کو اپیل کر کے کام لیا۔ اور جتنی آزادی کی لڑائیاں جیتی گئیں اسی طریقے سے جیتی گئی ہیں۔

چوتھا مرحلہ

آزادی کے بعد

اس طرح سے یہ تیسرا مرحلہ ختم ہوا اور اب ہم چوتھے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں۔ اس مرحلے میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تمام مسلمان ممالک آزاد ہو گئے۔

نیا المیہ

اس چوتھے مرحلے میں پوزیشن یہ ہے کہ ہر جگہ حکمرانی اور معاشی زندگی کی باگیں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو دین کے شعور سے خالی اور دین کے فہم سے عاری ہیں بلکہ جن کی نگاہ میں مسلمانوں کی تمام روایات حقیر اور ذلیل ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے دینی زندگی کو اختیار کر لیا اور اپنی اقدار اور اصولوں کی پیروی کی تو ہم اس دنیا کے اندر ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ اور ہماری کوئی قدر و قیمت نہیں رہے گی اور اس صورت میں ہم ترقی کر ہی نہیں سکتے۔ اگر ہم ترقی کر سکتے ہیں تو مغربی افکار اور مغربی نظریات کی پیروی کر کے ہی کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں کے سوچے سمجھے نظریات یہ ہیں۔ کیونکہ انھوں نے ساری تعلیم و تربیت ہی اسی چیز کی پائی ہے اور انگریز کے زمانے میں ایسے ہی لوگوں کو لا کر اوپر بٹھایا گیا تھا، زندگی کے ہر شعبہ میں سربراہی کے منصب پر یہی لوگ ہیں اور یہ صورت حال عام مسلمان ملکوں میں موجود ہے۔ آزادی کی جنگ تو اسلام کے نام پر لڑی گئی جب مسلمانوں نے جانیں لڑا کر اور قربانیاں دے کر آزادی حاصل کر لی تو اس کے بعد جو سب سے پہلا شکار ہوا وہ

خود اسلام ہی تھا! ۔ سب سے پہلے جسے ذبح کیا گیا وہ وہی اسلام تھا جس کی بدولت آزادی حاصل کی گئی تھی ! ابھی تازہ صورت حال الجزائر کی سب کے سامنے ہے ۔ قربانیاں دے کر اور لاکھوں مسلمانوں نے جانیں دے کر آزادی حاصل کی ۔ اس کے بعد جو خوش خبری ان کو سنائی گئی وہ یہ تھی کہ الجزائر ایک "سیکولر سوشلسٹ اسٹیٹ" ہوگا ۔ یہی کھیل ترکی، پاکستان، تیونس اور مصر میں کھیلا گیا ۔ کون سا مسلمان ملک ہے جہاں یہ کھیل نہ کھیلا گیا ہو؟ ۔ تیونس ہی کی مثال لیجیے! ۔ مسلمانوں کو دین کے نام پر پکارا گیا ـــــ دین ہی کے نام پر مسلمانوں نے قربانیاں دیں، اور آخر کار جب آزادی حاصل ہوئی تو بورقیبہ صاحب مسلمانوں کو اب یہ خبر سناتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے سے پیداوار (Production) کم ہو جاتی ہے ۔ وہی چیز جو روس میں کمیونسٹ مسلمانوں کے کان میں پھونکتے ہیں وہی بات تیونس میں بورقیبہ صاحب مسلمانوں کو بتا رہے ہیں ۔ جو لوگ پروڈکشن کا کام کرتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں، اب ظاہر بات ہے کہ بوڑھے تو روزہ رکھنے کے قابل نہیں اور جوان پروڈکشن کا کام کرتے ہیں اس لیے وہ روزہ نہ رکھیں ۔

یہ ایک طبقہ ہے جس کے ہاتھ میں اختیارات ہیں اور طاقت ہے دوسرا طبقہ تمام مسلمان ممالک میں وہ ہے جو مذہبی طبقہ کہلاتا ہے ۔ اس طبقہ کے پاس دین کا علم ہے، یہ لوگ جانتے ہیں، کہ خدا اور رسول ؐ کے احکامات کیا ہیں، یہ جانتے ہیں کہ تہذیب کیا ہے ۔ لیکن ان کو کوئی تعلیم و تربیت اس نوعیت کی نہیں ملی جس کی بنا پر مسلمان یہ توقع رکھیں کہ اول الذکر طبقے کے ہاتھ سے اختیارات چھین کر اگر وہ اس طبقے کے حوالے کریں تو یہ قومی معاملات کو چلا سکے گا ۔ یعنی یہ طبقہ مسلمانوں کے جذبات اور ان کے احساسات غرض ہر چیز سے قریب تر ہے اور اس کے بارے میں مسلمان یہ اعتماد رکھتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں ہم معاملات دیں گے تو ہمارے دین کو یہ خراب نہیں کریں گے ۔ ہمارے اوپر کفر اور فسق کو لا کر مسلط نہیں

کریں گے۔ لیکن یہ اعتماد نہیں رکھتے کہ ان کے ہاتھ میں اگر ہم معاملات دیں تو یہ معاملات چلا سکتے ہیں اور ان کے اندر اہلیت ہے کہ یہ قوم کی قیادت کر سکتے ہیں، یہ نظام عدل کو قائم کر سکتے ہیں، ہماری مالیات کو چلا سکتے ہیں، ہماری وزارت خارجہ کو چلا سکتے ہیں، یہ توقع مسلمان ان سے نہیں رکھتے ــــــ اور معقول بنیاد پر نہیں رکھتے۔

اصل پیچیدگی

ایک عام مسلمان ان دو طبقوں کے درمیان حیران و پریشان کھڑا ہے۔ کہاں تو مسلمانوں کے اندر دین سے جہل ہے، عادتیں بگڑی ہوئی ہیں، اور اخلاق کمزور ہیں، لیکن جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا جا چکا ہے۔ اسلامی تحریک کی غیر معمولی طاقت کے اثرات آج تک زائل نہیں ہو سکے کتنا ہی بگڑے سے بگڑا مسلمان کیوں نہ ہو آپ اس سے جا کر پوچھ لیجیے کہ شراب کو تو کیا سمجھتا ہے، حرام ہے یا حلال ؟ وہ ہرگز نہیں کہے گا کہ شراب حلال ہے ! اس سے پوچھیے کہ زنا کے متعلق تیری کیا رائے ہے، اس سے پوچھیے کہ جوئے کے متعلق تو کیا سمجھتا ہے حرام ہے یا حلال ؟ وہ ہرگز نہیں کہے گا کہ جوا حلال ہے! ، اس سے پوچھیے کہ رشوت کو تو کیا سمجھتا ہے، غرض ایک ایک چیز آپ اس سے پوچھتے جائیے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی اقدار (Values) بالکل تبدیل نہیں ہوئیں۔ اس کی عادتیں بگڑ گئی ہیں، اس کا کردار مسخ ہو گیا ہے۔ اس کے اخلاق کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔ لیکن اس کی اقدار تبدیل نہیں ہوئیں۔ یہ اقدار تو ماں کے دودھ کے ساتھ اس کو ملی ہیں۔ وہ اس کی رگ رگ میں اُتری ہوئی ہیں۔ ایک عام مسلمان سے پوچھیے کہ بھائی اگر ایک عورت آکر اسٹیج پر نیم برہنہ لباس میں ناچے تو کیا یہ اسلامی تہذیب ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں کہے گا کہ یہ اسلامی تہذیب ہے، یہ بات کسی طرح سے بھی اس کے ذہن میں نہیں آسکتی کہ یہ اسلامی تہذیب ہے۔ وہ جاہل ہے، اس بیچارے نے قرآن بھی سمجھ کر نہیں پڑھا ہے۔ وہ حدیث سے بھی ناواقف ہے۔ لیکن آخر صدیوں سے اسلامی تہذیب کے متعلق جو تصورات متواتر

چلے آرہے ہیں، اس کے اثرات یکسر کیسے ختم ہوجائیں گے۔ وہ اپنی کم علمی کے باوجود اپنی روایات کی روشنی میں حالات کو دیکھے گا اور آرا، قائم کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عام مسلمان کی حالت یہ ہے کہ اسلام کا ایک خلاصہ اس کے ذہن میں ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام مسلمان ملکوں میں آپ چلے جائیے ہر جگہ عوام کا یہی حال ہے۔ پاکستان، ترکی، ایران، مصر، الجزائر جس جگہ بھی آپ جائیں وہاں آپ دیکھیں گے کہ ایک عام مسلمان انہی اسلامی قدروں کا قائل ہے ـــــ اور وہ خوب جانتا ہے کہ وہ قدریں کیا ہیں ـــــ ہ کسی طرح بھی اس کے ذہن میں یہ بات بٹھائی نہیں جا سکتی کہ یہ اسلامی قدریں نہیں ہیں بلکہ اصل "اسلامی قدریں" وہ ہیں جو مغرب سے آرہی ہیں۔

پھر یہ کہ وہ اسلام کو جانتا نہیں ہے مگر اس کا عاشق ہے۔ حالیہ تاریخ میں سب نے دیکھ لیا ہے کہ اسی کے نام پر وہ اُبھار آگیا اور ہر ملک میں اسی کے نام پر اس نے قربانیاں دیں۔ اس کو اُبھارا جا سکتا ہے تو اسلام کے نام پر اُبھارا جا سکتا ہے۔ کسی دوسرے کے نام پر آپ اس کو نہیں اُبھار سکتے۔ وہ اگر جان دے سکتا ہے تو اس اطمینان کی بنا پر دے سکتا ہے کہ میں خدا کی راہ میں جان دے رہا ہوں۔ اور جنّت میں جاؤں گا۔ اگر یہ یقین اس کو نہ ہو تو پھر اس سے زیادہ بزدل بھی کوئی نہیں ہوگا۔ پھر وہ جان نہیں دے سکتا۔ یہ عام مسلمان کا حال ہے۔ اب جو بد قسمتی ہے تمام مسلمان ملکوں کی وہ یہ ہے کہ جس طبقے کے ہاتھ میں مسلمانوں کی حکومت آگئی ہے وہ اپنی قوم کی خواہشات اور اس کے جذبات کے بالکل خلاف اسلام کی مخالف سمت میں پوری قومی زندگی کو زبردستی کھینچ کر لے جانا چاہتا ہے۔ لیکن وہ کھلم کھلا سیکولرازم کا نام لے کر یہ کام کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ ترکی میں کیا گیا اور کسی جگہ وہ مجبور ہو کر اسلام کا نام تو لیتا ہے مگر اسلام کی تعریف بدل دیتا ہے۔ وہی مغربی تہذیب ہے مگر اس کے اوپر اسلام کا ٹھپّہ لگا کر چلانا چاہتا ہے اور مسلمان ـــــ عام مسلمان ـــــ اتنے اندھے اور اتنے بیوقوف نہیں ہیں کہ ایک صریح غیر اسلامی چیز کو ان کے سامنے لاکر اسلامی قرار دیا جائے اور وہ اس کو اسلامی تسلیم کرلیں۔ ہر مسلمان ملک میں

یہی پوزیشن ہے ـــــ صرف پاکستان ہی میں نہیں ـــــ ایک مغرب زدہ طبقے کے ہاتھ میں حکومت ہے اور اس کے ہاتھ میں ہماری معاشی زندگی کی کنجیاں ہیں۔ اور وہ زبردستی اپنی قوم کو کھینچ کر مغرب کے راستہ پر لے جانا چاہتا ہے۔ لیکن قوم ہے کہ تبدیل نہیں ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح کے شدید مظالم مسلمان قوم کو نامسلمان بنانے کے لیے روس یا ترکی میں کیے گئے، ہم اس ملک میں رہتے ہوئے اس کا تصوّر نہیں کر سکتے۔ ترکی میں ہزاروں آدمی صرف اس بنا پر مار ڈالے گئے کہ وہ ٹوپی تبدیل کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، یہ بھی گویا بہت بڑی "ریفارم" (Reform) تھی کہ لوگ کسی طرح اپنی ٹوپی تبدیل کریں۔ انگریزی ٹوپ ملک کے اندر موجود نہیں تھی تو یورپ کے ملکوں سے ردّی کیا گیا مال درآمد کیا گیا اس غرض کے لیے کہ لوگوں کو ٹوپ فراہم کر کے دیا جائے۔ یہ گویا ایک بڑی عظیم الشان "ریفارم" تھی اور یہ ریفارم تلوار کے زور اور بندوق کی طاقت سے کی گئی۔ اس ریفارم کی خاطر مارشل لا نافذ کیا گیا، یہ تمام ظلم و ستم کیے گئے، مگر آج بھی آپ دیکھ لیجیے عام ترک ویسا ہی مسلمان ہے جیسا پہلے تھا۔ اس کے اندر کوئی ردّ و بدل واقع نہیں ہوا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنی قوم کو (Convert) نہیں کر سکتے اس کو نامسلمان نہیں بنا سکتے۔ اس کے اندر کفر نہیں اُتار سکتے چاہے اپنا سارا زور ہی کیوں نہ لگا دیں۔

موجودہ کشمکش اب جو پوزیشن ہے وہ یہ ہے کہ قوم جدھر جانا چاہتی ہے حکومت اس کو ادھر جانے نہیں دینا چاہتی اور حکومت جدھر لے جانا چاہتی ہے قوم ادھر جانا نہیں چاہتی۔ ایک مستقل کشمکش ہے جو تمام مسلمان ممالک کے اندر جاری ہے، یہ "اسلام۔ لوڈ ڈے" ہے!۔

مسلمان قوم کو نامسلمان بنانے کے لیے تمام مسلمان ملکوں میں زور لگایا جا رہا ہے۔ نظامِ تعلیم ایسا نافذ کیا جا رہا ہے کہ ان کے اندر سے اسلامی قدروں کو نکال دیا جائے۔ ان کے اخلاق کا ستیاناس کر دیا جائے۔ ان کو ایسی تربیت دی جائے جو انھیں اپنی روایات سے بیگانہ کر دے۔ عوام الناس کے اندر وہ کلچر پھیلانے کی کوشش کی جائے۔ جس سے ان کے رہے سہے اخلاق بھی برباد ہو جائیں۔ ان کے اندر

مغربی علوم رائج کیے جائیں۔ ان ساری چیزوں کا حاصل اگر کچھ ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ مسلمانوں کی سیرت روز بروز کھوٹی ہوتی چلی جائے اور وہ ایک (Character Less) قوم بن کر رہ جائیں، یہ تو ہو سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کفر کو کسی طرح اسلام مان لیں، یا اسلام کو جان بوجھ کر ترک کر دیں اور ایک سیکولر اسٹیٹ کے لیے تیار ہو جائیں۔

اب اس کا خمیازہ مسلمان ملک کیا بھگت رہے ہیں اس کا اندازہ آپ تمام مسلمان ملکوں کی رفتار ترقی سے کیجیے! تمام مسلمان ملکوں کو آپ دیکھ لیجیے، کسی میدان میں بھی کوئی خاص ترقی آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ ترکی تو باقاعدہ ۱۹۲۴ء سے آزاد ریاست کی حیثیت سے موجود ہے، لیکن ذرا دیکھیے تو سہی کہ وہاں کتنی انڈسٹری ہے؟ تجارت کا کیا حال ہے؟ جتنی مدت ترکی کو ملی ہے اتنی ہی مدت جاپان کو ملی تھی اور وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔ ذرا ترکی کو دیکھ لیجیے کہ اس نے کتنی ترقی کی ہے؟ وجہ صاف ظاہر ہے ترکی ایک مسلسل اندرونی کشمکش سے دوچار رہا ہے۔ حکومت قوم کو نامسلمان بنانا چاہتی تھی، قوم نامسلمان ہونا نہیں چاہتی، وہ اسلام کی طرف جانا چاہتی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ایک مستقل کشمکش ہے، جو حکومت اور قوم کے درمیان برپا ہے۔ اور ایسی حالت میں کوئی ترقی کا قدم آگے کیسے بڑھ سکتا ہے، اور گذشتہ دنوں تو حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ ان کی فوج تک میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ نتیجتہً چھ ہزار آفیسر فوج سے آج تک نکالے گئے۔ ایسا ہی حال دوسرے مسلمان ملکوں کا ہے۔ خوب اچھی طرح یاد رکھیے کہ جس جگہ بھی قوم کے ضمیر اور حکومت کی پالیسی میں تضاد بلکہ کشمکش اور تصادم ہو اس جگہ کوئی ترقی ممکن نہیں۔ ایک قدم بھی وہ قوم ترقی کے راستے پر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ کوئی طاقت اس کے اندر پیدا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قوم کے ضمیر اور حکومت کی پالیسی میں تصادم برپا ہے۔ اگر کوئی حکومت طاقت ور ہو سکتی ہے تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ قوم کا ضمیر اور حکومت کی پالیسی ایک دوسرے کے مطابق ہوں، جو پالیسی حکومت بنائے وہ قوم کے جذبات واحساسات کے عین مطابق

ہو اور جس وقت وہ پالیسی بن جائے تو پھر ساری قوم اپنی جان لڑا کر اس پالیسی کو کامیاب بنانے کی جدوجہد کرے۔ تب ایک ترقی کرنے والی قوم پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسی حالت میں ترقی نہیں ہو سکتی جب کہ قوم جدھر جانا چاہتی ہے حکومت اس کو ادھر جانے نہیں دینا چاہتی اور حکومت جس طرف قوم کو لے جانا چاہتی ہے قوم اس طرف جانا نہیں چاہتی۔ فرض کیجیے کہ اگر ایسی قوم بغاوت نہ بھی کرے تب بھی اس کا عدم تعاون ہی تباہ کن ہے! اس کا ناراضامند ہونا بجائے خود خطرناک ہے۔

اب یہ لوگ جو کام کر رہے ہیں واقعہ یہ ہے کہ بجز خود غرضی کے اس کا محرک اور کوئی نہیں ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قوم کیا چاہتی ہے، خود ان کا اپنا تجربہ ہے کہ اسلام کے نام پر اٹھی اور اس نے قربانیاں دیں، اور اسلام کے نام پر اس کا اٹھنا ہی ہماری آزادی اور ہماری حکومت کا سبب بنا۔ اس لیے وہ اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ ہماری قوم کا اسلام سے کیا تعلق ہے۔ لیکن چونکہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا مستقبل انھوں نے مغربی تہذیب سے وابستہ کر رکھا ہے، اپنے آپ کو مغربی تہذیب میں غرق کر چکے ہیں اور اپنی عادتوں کو اس کے اندر ڈھال چکے ہیں اس وجہ سے ان کی خود غرضی اس امر میں مانع ہے کہ وہ اسلام کا بتایا ہوا راستہ اختیار کریں۔ ان کی منطق یہ ہے کہ اقتدار تو بہرحال رہنا ہے ہمارے ہاتھ میں اور ہم ہونا نہیں چاہتے مسلمان، اس لیے لامحالہ قوم کو بھی نامسلمان ہونا چاہیے۔ یہ گویا کلیہ ہے جس کے اوپر وہ کام کر رہے ہیں۔

یہ ہے "اسلام ٹوڈے"۔ اب میں آپ کے سامنے مختصر طور پر یہ عرض کروں گا کہ اس ٹوڈے کے بعد "ٹومارو" (Tomorrow) کیا ہونا چاہیے؟

تمام مسلمان ملکوں کا مستقبل منحصر ہے اس بات پر کہ آخر کار یہاں اسلام کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جائے گا اگر اسلام کے بارے میں منافقانہ طرزِ عمل کی صورت مسلمان ملکوں میں جاری رہی اور یہ معاندانہ رویہ اسی طرح روا رکھا جاتا رہا تو مجھے ڈر یہ ہے کہ مسلمان قوم زیادہ دیر تک اپنی

آزادی کو برقرار نہیں رکھ سکتی، پھر دوبارہ غلام ہوگی اور پہلے سے بدتر پوزیشن میں ڈالی جائے گی۔
البتہ اب بھی اگر ان لوگوں کو عقل آجائے جو مسلمان قوموں کے معاملات چلا رہے ہیں اور مسلمان ملکوں میں صحیح قسم کی جمہوریت قائم ہو جائے۔ مسلمان قوموں کو یہ اختیار مل جائے کہ وہ اپنی مرضی سے لوگوں کو منتخب کر کے ان کو اقتدار سونپیں اور یہاں اسلام کے منشاء اس کی تہذیب اور اصولوں کے مطابق نظامِ حکومت، نظامِ معیشت اور نظامِ تعلیم رائج کیا جائے تو میرا خیال ہے کہ بہت جلدی مسلمان قومیں بہت بڑی طاقت بن جائیں گی۔ نہ صرف یہ کہ طاقت حاصل کر لیں گی بلکہ دنیا میں ان کی ایک فیصلہ کن طاقت ہوگی، مسلمان ملکوں کا بلاک کوئی معمولی بلاک نہیں ہے۔ انڈونیشیا سے مراکو تک مسلسل مسلمان قوموں کا اتنا بڑا بلاک جس کے پاس اس قدر وسیع ذرائع و وسائل اور جس کی اتنی آبادی (Man Power) ہے، اگر سارے کا سارا اسلام کے اصولوں پر کام کرے اور اسلام کے اوپر متحد ہو تو دنیا کی کون سی طاقت ہے جو اس کے سامنے ٹھہر سکتی ہے۔

اب دوسرا سوال جو میں نے آپ کے سامنے چھیڑا ہے اس کا جواب میں چند الفاظ میں دوں گا۔ سوال یہ تھا کہ اسلام اس زمانے میں دنیا میں غالب آسکتا ہے یا نہیں۔ دنیا کی قومیں اس کو قبول کر سکتی ہیں یا نہیں؟ کر سکتی ہیں تو کیسے؟ اور اسلام اس زمانے میں قابلِ عمل ہے یا نہیں؟ یہ سوال آج کل بڑی کثرت سے چھیڑا جاتا ہے!۔

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ کسی زمانے میں بھی زمانے نے خود آگے بڑھ کر نہیں کہا تھا کہ میں اسلام کو قبول کرنے کو تیار ہوں، سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ رسول کریمؐ نے جب عرب کی جاہلی سوسائٹی میں اسلام کی دعوت دی تھی تو کب زمانے نے اٹھ کر، پکار کے یہ کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تمہاری اس دعوت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اصل انحصار تو اس طاقت ور اور مضبوط داعی پر ہوتا ہے جو یہ کہے کہ " اے زمانے! اگر تو مجھ سے موافقت نہیں کرتا تو

میں تجھے موافق بنا کر چھوڑوں گا۔" ایسے تو کہاں اسلام اور کہاں کمیونزم لیکن بر بنائے بحث کمیونسٹ انقلاب کی کامیابی ہی کو دیکھ لیجیے جو آپ کے سامنے کی بات ہے۔ حالانکہ اسلام اتنا (Radical Change) نہیں چاہتا جیسا کہ کمیونزم چاہتا ہے۔ مکمل طور پر لوگوں کی شخصی ملکیتوں کو ساقط کر دینا اور تمام املاک کے اوپر حکومت کا قابض ہو جانا اور ایک مرکز کے اوپر ساری قومی ثروت کا جمع ہو جانا۔ یہ بہت بڑا تغیر ہے۔ اسلام تو ایسا بڑا تغیر نہیں چاہتا لیکن جب کچھ لوگ اٹھے اور انھوں نے یہ عزم کر لیا کہ ہمیں اس نظام کو نافذ کرنا ہے تو وہ کامیاب ہو گئے۔

اسی طرح یہ سوال بھی بالکل لغو ہے کہ اسلام آج قابلِ عمل ہے یا نہیں ؟ اسلام ہر زمانے میں قابلِ عمل تھا۔ آج بھی ہے اور قیامت تک قابلِ عمل رہے گا۔ اصل سوال جس پر انحصار ہے وہ یہ ہے کہ کیا کوئی قوم دنیا میں ایسی موجود ہے کہ جو پورے کے پورے اسلام کو اپنانے کے لیے تیار ہو ؟ جیسا کہ میں نے آغاز میں بتایا تھا کہ ہماری تاریخ کا آغاز ہی اس چیز سے ہوا تھا کہ عرب کی پوری کی پوری قوم اس بات کے لیے تیار ہو گئی تھی کہ اپنے پورے معاشرتی، معاشی، سیاسی، اور تمدنی نظام کو اسلام پر قائم کرے۔ اپنی انفرادی سیرتوں اور اجتماعی احوال کو اسلام کے مطابق ڈھالے اس نے عہد کیا تھا کہ دنیا میں اسلام کی علم بردار بن کر اٹھے گی۔ اسی کے لیے جیے گی اور اسی کے لیے مرے گی۔ جب ایک ایسی قوم دنیا میں پیدا ہو گئی تو دیکھ لیجیے کہ کس طرح وہ دنیا پر بم کی طرح پھٹی ——— ! اور کس طرح دنیا پر اس کے اثرات آج تک موجود ہیں۔

اگر اس طرح سے کوئی قوم پوری طرح سے اسلام کو اپنائے اور اپنا پورا نظامِ زندگی اس کے مطابق چلائے اور اسی کے لیے جینے اور مرنے کو تیار ہو تو میرا خیال ہے کہ آج دنیا اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ لوگوں کے لیے ناممکن ہے کہ چلتے پھرتے اسلام کو دیکھیں اور اس کو قبول نہ کریں۔ البتہ اگر آپ زبانی تقریروں اور کتابوں کے ذریعہ سے اسلام پھیلانے کی کوشش کرتے رہیں گے تو

قیامت تک آپ یہ "شغل" جاری رکھیے، دنیا کو اس بات پر قائل کرنا مشکل ہوگا کہ اسلام قابلِ عمل بھی ہے۔

اب آخر میں دل کی بات بھی آپ سے عرض کیے دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے چونکہ مجھے اس قوم میں پیدا کیا ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ وہ قوم، یہی قوم ہو۔ میری سیاست ہے تو یہی ہے، میرا مذہب ہے تو یہی ہے، میری ساری کوششوں کا مدعا یہی ہے کہ یہ قوم جس کے اندر میں پیدا ہوا ہوں، پوری طرح سے اسلام کو اپنا لے اور اپنی زندگی میں چلتا پھرتا اسلام دکھا دے۔